مولانا عبید اللہ سندھی کا انقلابی پروگرام

ڈاکٹر محمد یعقوب مغل

مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب روس سے ترکی آئے تو سب سے پہلے انقرہ گئے تھے وہاں پر انھوں نے ترکی کے وزیراعظم عصمت انونو سے ملاقات کی۔ لیکن یہ ملاقات کامیاب نہ ہوسکی۔ کیونکہ دوران ملاقات جو ترجمان موجود تھا وہ صحیح طور پر عربی نہ بول سکتا تھا اس کے علاوہ اس زمانے میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی صحیح طور پر عربی نہیں بول سکتے تھے اس لیے اس ملاقات میں سیاسی موضوع پر کوئی خاص گفتگو نہ ہوسکی، لیکن اس ملاقات کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ترکی کی حکومت نے مولانا سندھیؒ کو استنبول میں رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر حکومت کی طرف سے انھیں کوئی مالی امداد نہیں دی گئی۔ ظفر حسین ایبک جو مولانا سندھیؒ کے شاگرد رشید اور سیکریٹری تھے ۱۹۲۴ء میں اگست کے پہلے ہی ہفتے استنبول تشریف لائے تاکہ اپنے استاد محترم (مولانا سندھیؒ) کی خدمت سرانجام دے سکیں اور ان کے سیاسی پروگرام میں ان کے معاون و مددگار بھی ثابت ہوں۔

۱۹۲۴ء میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور ظفر حسین ایبک نے ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہندوستان کے لیے جو سیاسی پروگرام مرتب کیا، اس کے اہم نکات یہ تھے۔

۱۔ ہندوستان کے لیے مکمل آزادی حاصل کی جائے اور آزاد ہندوستان میں وفاقی نظام حکومت قائم کیا جائے۔

۲۔ ہندوستان میں مسلم قوم اور دوسری اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے اور انھیں مذہبی آزادی دی جائے۔

۳۔ ہندوستان میں محنت کش طبقے یعنی کسان، مزدور اور ذہنی کام کرنے والوں کے اکثریتی فرقے کی حکومت قائم کی جائے۔

۴۔ ہندوستان سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کا خاتمہ کیا جائے۔ تاکہ کمیونزم کا پرچار کرنے والے معصوم لوگوں کو دھوکا نہ دے سکیں۔

۵۔ امپیریلزم کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے "ایشیاٹک فیڈریشن" قائم کی جائے۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مولانا سندھیؒ نے "سرواجیہ پارٹی" کی بنیاد ڈالی "سرو" کے معنی (ہندی زبان میں) "سب کے" ہیں۔ اس لیے اس پارٹی کے معنی ہوئے "سب کا راج قائم کرنے والی پارٹی" اس پارٹی کا بنیادی مقصد بلا امتیاز رنگ و نسل، مذہب اور مال و دولت لوگوں کی بھلائی کے لیے حکومت قائم کرنا تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ یہ چاہتے تھے کہ جو نئی حکومت ہندوستان میں قائم ہو، اس میں "سرواجیہ پارٹی" کے اراکین کا معیار زندگی ملک میں کسانوں کے معیار زندگی کے مطابق ہو۔ یعنی مولانا کا منشا یہ تھا کہ اس پارٹی کے اراکین عام آدمی کے مطابق زندگی بسر کریں۔ مولانا صاحب نے پارٹی کے پروگرام میں یہ بات واضح کر دی کہ پارٹی ہندوستان کو ایک ملک تصور نہیں کرتی اور نہ ہی قومی یکجہتی پیدا کرنے کے لیے وہ جدوجہد کرے گی، اس کے برعکس مولانا سندھیؒ اس بات کے حامی تھے کہ ہندوستان میں وفاقی حکومت قائم کی جائے، دراصل مولانا سندھی چاہتے تھے کہ ہندوستان میں جو مختلف قومیں ہیں ہندو، مسلم اور سکھ آباد ہیں ان سب کے ساتھ انصاف کیا جائے اور کسی ایک قوم کو اکثریت کی بناء پر دوسری اقوام کے حقائق غصب نہ کرنے دیئے جائیں۔ اس لیے سرواجیہ پارٹی کا پروگرام "آل انڈیا کانگریس" کے پروگرام سے بالکل مختلف تھا۔ آل انڈیا کانگریس" قومی یکجہتی کی حامی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان میں فقط ایک قوم رہتی ہے جو "ہندوستانی قوم" ہے۔ مذہب کی بنیاد پر قوموں کی تشکیل غیر فطری ہے اس لیے ناممکن ہے۔

اس کے برعکس مولانا سندھیؒ نے جو "سرواجیہ پارٹی" کا پروگرام مرتب کیا، اس میں ہندوستان کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ مولانا صاحب کے خیال کے مطابق یہ تقسیم جغرافیائی لحاظ سے مناسب اور اور طبعی تھا۔ مولانا صاحب ہندوستان کو شمال مغربی، مشرقی اور جنوبی ہندوستان میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ مولانا کا خیال تھا کہ ان تین حصوں میں اکثریت ایک ہی زبان بولتی ہے اور ان میں ایک ہی طرح کے رسم و رواج اور تمدن کے حامل افراد آباد ہیں۔ ملک کی آزادی کے بعد ان تین صوبوں میں سے ہر ایک صوبے کو ایک جمہوری ملک قرار دیا جائے گا اور داخلی معاملات میں یہ صوبے خود مختار ہوں گے ان صوبوں

کو خارجی معاملات، فوج اور غیر ملکی تجارت کے علاوہ بقیہ معاملات میں مکمل خود مختاری حاصل ہوگی۔

مولانا سندھیؒ نے ۱۹۲۴ء میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کا تصور پیش کیا وہ چاہتے تھے کہ شمال مغربی ہندوستان میں مشرقی پنجاب، مغربی پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، سندھ، بلوچستان اور گجرات (سوائے بنگال کے) کے علاوہ وہ تمام علاقے جہاں پر مسلمان اکثریت میں موجود تھے، ایک ملک ہو۔ بقیہ دو حصے مشرقی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان پر مشتمل رکھنا چاہتے تھے (اس طرح مغربی بنگال مشرقی ہندوستان میں شامل ہونا تھا)۔

مولانا کے منصوبے میں اس بات کی بھی اجازت تھی کہ ان جمہوری ممالک یعنی شمال مغربی ہندوستان، مشرقی ہندوستان اور جنوبی ہندوستان کے لوگ اگر چاہیں تو اپنے تمدن اور رسم و رواج کی وحدت کی بنیاد پر ایک وفاقی نظام میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ علاقے اپنی اکثریت کے مذہب کو اپنا "ریاستی مذہب" بنا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ "سرو راجیہ پارٹی" کا اقتصادی نظام قبول کرلیں۔ اس طرح موجودہ پاکستان مشرقی پنجاب، کشمیر اور گجرات (ہندوستان) کے رہنے والے ایک ملک کے باشندے ہوتے اور اس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوتی اور ان کا مذہب اسلام ہوتا اس طرح اس علاقے کا "ریاستی مذہب" بھی "اسلام" ہی ہوتا۔ اگر اس وقت مولانا سندھیؒ کا پروگرام قبول کر لیا جاتا تو یقیناً ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت کے حقوق کا تحفظ بہتر طور پر کیا جا سکتا تھا۔

مولانا سندھیؒ چاہتے تھے کہ وفاقی نظام پورے انڈیا میں قائم کیا جائے گا۔ اس میں ہر عاقل و بالغ مرد اور عورت کو انتخاب کا حق دیا جائے گا۔ لیکن وہ اس نظام میں ہر طبقے کو اپنا نمائندہ منتخب کرنے کا حق دینا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کسان، مزدور، ذہنی کام کرنے والے افراد (جن میں غالباً ماہر تعلیم، مفکر، علمائے کرام وغیرہ آتے تھے) تاجر اور کارخانہ دار مجلس قانون ساز میں اپنی آبادی کے تناسب سے نمائندہ چن کر بھیجیں۔ اس طرح نئی قائم کردہ پارلیمنٹ میں سرمایہ دار اور کارخانہ دار وغیرہ از خود اقلیت میں شامل ہو جاتے اور اس طرح مولانا سندھیؒ کے تشکیل کردہ وفاقی پارلیمانی نظام میں محنت کش طبقے کے حقوق کا بآسانی تحفظ کیا جا سکتا تھا۔

مولانا سندھیؒ چاہتے تھے کہ فوائد عامہ کے تمام ذرائع قومی ملکیت میں دے دیئے جائیں اس کے علاوہ اس اسکیم کے تحت انفرادی اور ذاتی ملکیت (منقولہ اور غیر منقولہ) کو محدود کر دینا تھا۔ وہ شاید قرآن کی اس آیت

(قل العفو) کی روشنی میں چاہتے تھے کہ مقررہ حد سے زیادہ ملکیت لوگوں کی تحویل میں نہ رہے بلکہ اس زائد جائیداد اور مال کو قومی ملکیت بنا دیا جائے۔ اس طرح ریاست ان لوگوں کی مدد کر سکے گی جو مفلوک الحال ہیں۔ مولانا کا خیال تھا کہ لوگوں کے پاس کسی حد تک سرمایہ بھی رہے۔ اس لیے اس پروگرام کے تحت مالداروں اور سرمایہ داروں کی زائد ملکیت پر پچاس فیصد ٹیکس عائد کرنا چاہتے تھے۔

مولانا کے پروگرام میں جاگیرداری اور زمینداری کی کوئی گنجائش نہ تھی وہ واضح طور پر ملک کی زمینیں قومی تحویل میں لینا چاہتے تھے وہ ان علاقوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں، فاروق اعظمؓ کے فیصلے کے مطابق زمین داروں کی زمینیں حکومت کی تحویل میں لینا چاہتے تھے اور حضرت امام حنیفہؒ کے فیصلے کے مطابق زمین داری کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ مولانا اس بات کے حامی تھے کہ ہر کاشت کار خاندان کو حکومت کی طرف سے اس قدر زمین الاٹ کی جائے جس قدر وہ کاشت کر سکے۔

وہ وفاقی نظام میں اقتصادی لحاظ سے ایک انقلاب لانا چاہتے تھے تاکہ ملک اقتصادی طور پر مضبوط ہو جائے لوگوں کی حق تلفی نہ ہو اور آئندہ کبھی بھی مفاد پرست عناصر معصوم عوام کو کمیونزم کے نام پر دھوکہ دینے کا موقع حاصل نہ کر سکیں۔

مولانا سندھیؒ اپنے پروگرام کے ذریعے بلا سودی نظام قائم کرنا چاہتے تھے اور محنت کش طبقے کے پرانے قرضے ختم کرنے کے حق میں تھے اس کے علاوہ کارخانوں کو بھی قومی ملکیت میں لینے کا پروگرام تھا لیکن وہاں کارخانوں کو مزدوروں کی انجمنوں کے ذریعے چلانا چاہتے تھے اور مزدوروں کا منافع حصے میں تبدیل کرنے کا پروگرام تھا اسی طرح مزدور کارخانوں کو اپنی ملکیت سمجھ کر زیادہ دلچسپی سے کام کرتے اس پروگرام میں مزدوروں کو مفت طبی امداد اور صاف ستھرے گھر بھی مہیا کرنا شامل تھا تعلیم کے سلسلے میں مولانا سندھیؒ چاہتے تھے کہ ابتدائی اور مڈل اسکول تک تعلیم مفت اور لازمی ہو۔

تجارت کے سلسلے میں مولاناؒ "کوآپریٹو سوسائٹیاں" قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان سوسائٹیوں کا رکن کوئی بھی شخص بن سکتا تھا سوداگروں اور سرمایہ داروں کو بھی سوسائٹی میں داخل ہونے کی اجازت تھی۔ لیکن وہ غیر ملکی تجارت حکومت کی تحویل میں دینا چاہتے تھے۔

مولانا سندھیؒ کا خیال تھا کہ ہندوستان میں تین صوبے قائم کیے جائیں جو داخلی طور پر خود مختار ہوں وہ وفاقی جمہوریہ ہند کی مرکزی حکومت کے ماتحت ہوں، لیکن مرکز کے پاس صرف خارجہ پالیسی، فوج اور

غیر ملکی تجارت کے محکمے رہیں۔ اس کے علاوہ مرکز کو اس بات کا اختیار نہیں ہوگا کہ صوبوں کے مذہبی معاملات میں دخل دے۔ مرکز میں صوبوں کو نمائندگی آبادی کے تناسب سے دی جائے۔

دراصل ۱۹۲۴ء تک روس کی پالیسی "امپیریلسٹ" نہیں تھی اس وقت "آذربائیجان" اور "ترکستان" کی جمہوری حکومتوں کو یہ اختیار تھا کہ دوسرے ملکوں سے سفارتی تعلقات قائم رکھیں مولانا کا "ایشیاٹک فیڈریشن" قائم کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ روس کو بھی اس میں شامل کرے ہندوستان کو آزاد کرانے میں اس سے انگریزوں کے خلاف مدد لی جائے۔ اس کے علاوہ جب ایک بار روس فیڈریشن کا رکن بن گیا تو اس کے بعد اسے محنت کش کے حقوق کا تحفظ کرنے کے بہانے ہندوستان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

مولانا سندھیؒ کی کوشش تھی کہ اس پروگرام کے ذریعے آزاد ہندوستان میں اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے اور جن علاقوں میں مسلمان اکثریت رکھتے ہوں، ان کو ایک صوبہ اور بعد میں ایک ملک میں متحد کیا جائے اور مسلم اکثریت کی بنا پر وہاں اسلام کو سرکاری مذہب بنایا جائے اس طرح "آل انڈیا کانگریس" کی وہ سازش کہ "ہندوستان میں صرف ایک قوم رہتی ہے اور وہ ہے ہندوستانی قوم اور مسلمانوں کو مذہب کی بنیاد پر علیحدہ قوم تسلیم نہیں کیا جا سکتا" خود بخود ختم ہو جاتی لیکن افسوس ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں میں ابھی اتنا شعور پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ مولانا سندھیؒ کے پروگرام کو سمجھ سکیں۔ یہ تو ۱۹۲۴ء کی بات ہے

۱۹۳۳ء میں جب چوہدری رحمت علی نے مسلمانوں کے آزاد ملک کا نام "پاکستان" تجویز کیا تو اس وقت بھی مسلمان آزاد ملک کے تخیل کو خام خیالی تصور کرتے تھے۔

دراصل ۱۹۲۴ء میں حضرت مولانا سندھیؒ نے یہ پروگرام قوم کے سامنے پیش کیا تھا تب ہندوستان کی فضا اور ہندو مسلم تعلقات اس قدر مناسب نہ تھے جتنے ۱۹۳۲ء کے بعد ہوئے اور اسکے بعد مسلمانوں نے علامہ اقبال اور قائداعظم کی رہنمائی میں آزاد وطن کا مطالبہ کیا۔

اس کے علاوہ مولانا سندھیؒ اس دور میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے اس لیے اس پروگرام کو ملک میں رائج کرانے کے لیے ملک سے باہر رہ کر وہ آزادی کی تحریک نہیں چلا سکے۔ اس پروگرام کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زمین دار اور جاگیردار اس انقلابی پروگرام کی مخالفت میں تھے کیونکہ اس پروگرام کی کامیابی کے بعد ان سب کا وجود خطرے میں پڑ جاتا اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ مولانا سندھیؒ اس پروگرام میں کامیاب ہوں اس طرح وہ پروگرام جو ہندوستان میں سیاسی، سماجی اور معاشی انقلاب لانے میں معاون ثابت ہوتا، رائج نہ ہو سکا۔ اس لیے آج بھی کروڑوں محنت کش مزدور اور کاشت کار، جاگیرداروں اور زمین داروں کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔